نزہت انیس

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو، جامعہ کراچی

برصغیر کا نوآبادیاتی پس منظر اور سرسیّد احمد خان: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

ABSTRACT

Post-colonial Background of sub-continent, Sir Ahmed Khan and Urdu Literature

By Nuzhat Anees, Research Scholar, Department of Urdu, University of Karachi.

Post colonialism, signals a possible future of overcoming colonialism, yet new form of dominations can come in the wake of such changes, including new forms of global empire.

Post colonialism should not be confused with the claim that the world we live in now is actually devoid of colonialism. In search of cheap labor and cheap raw material, the British Empire colonized India. Syed Ahmed Khan was a leading educationist and reformer. He possessed the intellectual resources to reconcile matters of faith with the more immediate task of rescuing Muslims from their downward spiral. During this colonial period Sir Syed Ahmed Khan began his movement to reform the educational, social and literary environment. He also began writing in the same period.

This paper evaluates Sir Syed's writings against the backdrop of this milieu.

نوآبادیاتی نظام، جس سے مراد ایک علاقے والوں کا دوسرے علاقے میں جا کر اپنی نئ آبادیاں بنانا اور اِردگرد کے علاقوں پر قبضہ کرکے اسے توسیع دینا اور وہاں کے اصل باشندوں پر اپنے قوانین معاشرت اور حکومت کو مسلّط کرنا ہے۔[۱] یورپ کی تاریخ میں سترھویں اور اٹھارویں صدی نوآبادیات کے پھیلاؤ کی کوششوں سے عبارت ہے۔ اس دوران یورپی ممالک کا مقصد شہنشاہیت کو مستحکم کرنا، مطلق العنان بنانا اور دُنیا کے دیگر خطوں پر پھیلانا تھا۔[۲] ان یورپی بادشاہتوں کو غیر مستحکم اور وحشی علاقوں میں جن اشیا نے اپنی طرف متوجہ کیا ان میں سونا، دیگر دھاتیں، مصالحہ جات، ہاتھی دانت اور غلام تھے مگر یہ طاقتیں صرف غیر مہذب اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کی ملکیت ہی کے لیے نہیں بلکہ ایشیا کے مہذب اور گنجان آباد ممالک کے لیے بھی آپس میں دست و گریبان رہیں۔ ہندوستان میں برطانوی شہنشاہیت، ایسٹ انڈیز میں ڈنمارک کی املاک اور دیگر

بڑی طاقتیں بھی ایران، سلطنت عثمانیہ، چین اور جاپان کی فتوحات کے لیے بے چین رہیں۔ جب مغربی یورپ نے اپنی برتری کے دائرۂ کار کو دُنیا بھر کے سمندروں کے پار پھیلایا تو ان میں خاص طور پر ولندیزی، سکینڈے نیوی، ہسپانوی، پرتگیزی، فرانسیسی اور برطانوی شامل تھے۔[۳] اس مقصد کے لیے سترھویں صدی میں ایشیا کے وہ ممالک جو فوجی لحاظ سے کمزور تھے پہلے ان پر حملے شروع ہوئے اس وقت انڈونیشیا اور فلپائن پر مسلمانوں کی بڑی حکومتیں تھیں۔ اسپین والوں نے سب سے پہلے فلپائن اور پھر ہالینڈ والوں نے انڈونیشیا پر قبضہ کیا۔ برّصغیر میں انگریزوں نے شمالی اور مغربی افریقہ میں فرانسیسیوں نے اور سلطنتِ عثمانیہ کے شمالی حصّوں میں روسیوں نے مداخلت شروع کی۔[۴]

ہندوستان ایک بڑا ملک تھا، اتنا کہ اسے چھوٹا برّاعظم کہا جا سکتا تھا۔ اس کا ساحل پانچ ہزار میل، خشکی کی سرحد چھ ہزار میل اور پندرہ سو میل تک شمال میں پھیلا ہوا ہمالیہ کا پہاڑی سلسلہ تھا۔ اسے مختلف ادوار میں مختلف اقوام نے اپنا مسکن بنایا تھا یہی وجہ تھی کہ ہندوستان مختلف تمدنوں کا آمیزہ بن گیا تھا۔ کول، بھیل، دراوڑ، آریا اور منگول اقوام، موریا خاندان، شہنشاہ اشوک، گپت سلطنت، برہمن مت، ہن اقوام، بدھ مت وغیرہ نے یہاں مختلف ادوار میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کیں۔[۵]

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ پوری دُنیا کی تاریخ میں اسلام نہایت سہولت کے ساتھ پھیلا ''جس جگہ ایک مسلمان کا گزر ہو گیا وہاں مذہب اسلام قائم ہو گیا۔''[۶] ہندوستان میں بھی آٹھویں صدی سے ہی مسلمان تاجر عراق سے آتے اور جنوبی ہند کے ساحلوں پر آباد ہوتے رہے تھے جہاں تک ان علاقوں پر مسلمانوں کی حکومت کا تعلق ہے تو حضرت عمرؓ کے دور میں بلوچستان، سیستان اور کرمان وغیرہ پر مسلمانوں کی حکومت رہی تھی۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کے حملے سے پہلے ہی قدیم سندھ میں، بلوچستان کے بعض علاقوں میں، گجرات، کاٹھیاوار اور جنوبی پنجاب کے علاقے جو ملتان تک شامل تھے یہاں مسلمانوں کے ساتھ ہندو راجاؤں کی بھی حکومتیں تھیں۔ یہ علاقے قریباً دو سو سال تک اموی اور عباسی حکومتوں کے تحت رہے تھے اور ان کے کمزور ہو جانے کے بعد یہاں آزاد ریاستیں قائم ہوئی تھیں[۷] اور محمد بن قاسم کے بعد یہاں غزنوی، غوری، خاندانِ غلاماں، خاندانِ خلجی، خاندانِ تغلق وغیرہ کی حکومتیں اہمیت کی حامل رہیں۔ سلطنت دہلی کے زوال کے بعد یہاں کئی حکومتیں بنیں جن میں کشمیر، دکن کی بہمنی حکومت، بیجاپور کے عادل شاہی سلاطین، نظام شاہی سلاطین، گولکنڈہ کے قطب شاہی سلاطین، سلاطینِ بنگال اور لودھی سلاطین وغیرہ اہم رہے۔[۸] ان کے بعد دہلی میں سلطنتِ مغلیہ یا تیموریہ کے نام سے مرکزی حکومت قائم ہوئی اس سلطنت کا بانی ظہیر الدین محمد بابر تھا۔ اس نے اپریل ۱۵۲۶ء میں پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست دی اور کُل ہندوستان کو بتدریج ایک ہی حکومت کے تحت کیا۔ وہ عظیم مغلیہ سلطنت جس کی برّصغیر میں بنیاد بابر نے رکھی تھی وہ ۱۸۵۷ء میں آخری مغل بادشاہ، بہادر شاہ ظفر پر آ کر ختم ہوئی۔ اگر درمیان سے سوری خاندان کے سولہ سال نکال دیے جائیں تو یہ حکومت ۳۱۵ سال قائم رہی۔[۹] مسلمانوں کے تمام ادوار میں اس خطۂ زمین نے بے حد ترقی کی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک کا دور مغلوں کا عہدِ عروج کہلاتا ہے۔ یہ ڈیڑھ سو سال کی مدّت کا دور بغاوتوں سے خالی

تھا۔ زراعت وصنعت کو فروغ حاصل ہوا، مخمل، ریشم، سوت اور اون کے کپڑے، قالین، کاغذ سازی، زردوزی، ریشمی کشیدہ کاری کی صنعتیں یہاں بہت ترقی یافتہ تھیں۔ فنِ تعمیر میں مغلوں نے ترکی اور ایرانی طرزِ تعمیر کو ملا کر تیموری طرزِ تعمیر ایجاد کیا۔ یہاں فنِ اسلحہ سازی اتنا ترقی یافتہ تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کے علاوہ کہیں اور اتنا اچھا توپ خانہ نہیں تھا۔(۱۰)

برّصغیر کے مختلف حصّوں میں مسلمانوں کی دلچسپی اور مسلم درباروں کی سرپرستی کی وجہ سے ہی یہاں دیسی زبانوں کے ادب ترقی کے مراحل سے گزرے۔(۱۱) اسلامی تمدن کے اثرات بھی ہندوطرزِ معاشرت پر اخلاقی لحاظ سے بہتر انداز میں مرتب ہوئے کیوں کہ مسلمانوں سے پہلے یہاں برہمنوں کے علاوہ دوسرے لوگ علم حاصل نہیں کرسکتے تھے مگر مسلم دورِ حکومت میں یہاں ہر طبقے میں بہترین ادیب پیدا ہوئے کیوں کہ یہاں ہندوؤں اور دیگر تمام مذاہب کے ماننے والوں کو آزادی حاصل تھی کہ وہ اپنے مذہب کی حمایت میں آسانی سے لکھ بھی سکتے تھے اور بحث بھی کرسکتے تھے۔(۱۲)

برّصغیر میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغل دورِ حکمرانی مائل بہ زوال ہوا۔ اس کے جانشینوں میں اقتدار کے لیے باہم جنگیں شروع ہوئیں۔(۱۳) مزید یہ کہ یہاں ڈیڑھ سو سال کی خوشحالی سے شاہی خاندان عیش وعشرت میں مبتلا ہو چکا تھا، امرا بادشاہ کے بجائے اپنی ذات کے وفادار ہو چکے تھے اور ساتھ ساتھ یہ لوگ ترکستانی، ایرانی اور ہندوستانی گروہوں میں بھی تقسیم ہو چکے تھے۔ محمد شاہ (۱۷۲۰ء۔۱۷۴۸ء) کے زمانے میں مرہٹوں نے زور پکڑا۔ وہ مسلمانوں سے آزادی چاہتے تھے۔ اس وقت ایک طرف تو جنوب سے مرہٹوں کا ہنگامہ برپا ہوا تو دوسری طرف شمال سے ایران کا حکمران نادرشاہ قندھار، کابل، پشاور اور لاہور کو فتح کرتا ہوا دہلی تک آپہنچا مگر وہ حکومت کیے بغیر ہی واپس چلا گیا۔ ان تمام معاملات سے مغلیہ سلطنت کا ڈر نکل گیا اور کئی صوبیداروں نے اپنے صوبوں میں آزاد حکومتیں قائم کرلیں۔(۱۴)

جب مغلیہ سلطنت میں زوال کے آثار نمایاں ہوئے تو یورپی اقوام نے بھی ہندوستان پر قدم جمانے کے ارادے کیے۔ برّصغیر میں یورپ کی اقوام کی یلغار پندرھویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ یورپ کی تین اقوام برّصغیر تک رسائی میں کامیاب ہوئیں۔ برطانوی، پرتگالی اور فرانسیسی۔ برطانویوں نے یہاں برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی، پرتگالیوں نے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی اور فرانسیسیوں نے فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے تجارتی کمپنیاں قائم کیں۔ مگر برطانویوں نے اپنی ''انتظامی صلاحیت اور چالاکیوں'' سے باقی دونوں کی طاقت کا خاتمہ کردیا اور مختلف معاہدات کے تحت انھیں صرف ساحلی علاقوں تک محدود کردیا۔(۱۵)

یہ وہ وقت تھا جب یورپ میں تاجروں کے جہازی قافلے ایک دوسرے کو لُوٹنا ہی تجارت سمجھتے تھے اس وقت بہت سے تاجر مل کر کمپنی بناتے تھے اور اپنی حکومت سے فرمان حاصل کرتے تھے۔ لندن کے تاجروں نے بھی مل کر برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی جسے ملکہ الزبتھ اوّل نے ۳۱؍دسمبر ۱۵۹۹ء کو راس امید سے آگے ممالک میں پندرہ سال کے لیے تجارت کی اجازت دی۔ انگریزوں کا پہلا جہاز ''ہیکٹر'' ۲۴؍اگست ۱۶۰۰ء(۱۶) کو سورت پہنچا۔ اس جہاز کا کپتان ''ولیم ہاکنس'' ایک بحری

لٹیرا تھا۔ برّصغیر میں اس وقت جہانگیر کا دورِحکومت تھا۔ برطانیہ میں ملکہ الزبتھ اوّل کے بعد جب جیمز اوّل نے برّصغیر کے معاملات میں دلچسپی لی اور جہانگیر کے دربار میں اپنے سفیر تھامس روکو بھیجا۔ یہ تین سال یہاں رہا۔ انگریز بہت بعد، ۱۶۳۳ء میں اور بہت مشکل سے جہانگیر کے دربار سے، سورت میں کارخانہ قائم کرنے اور اس کے گرد فصیل بنانے کی اجازت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شاہجہاں کے زمانے میں انھوں نے ہنگامے کی کوشش کی مگر شاہی افواج نے ان پر قابو پالیا، اورنگ زیب کے زمانے میں بمبئی میں لڑنا چاہا تو اورنگ زیب کے سپہ سالار نے انھیں شکست دی اور افعالِ گزشتہ کی معافی مانگنے پر انھیں دوبارہ برّصغیر میں رہنے کی اجازت ملی مگر گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ان کے لیے حالات سازگار ہوتے گئے۔ وہ اپنی تجارتی کوٹھیاں بتدریج قلعوں میں تبدیل کرتے گئے اور اپنے تجارتی قافلوں میں افواج کی تعداد بڑھاتے رہے۔[۱۷] ہندوستان کا شہر مدراس ان کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ وہ وہاں طاقتور ہوئے اس کے علاوہ انھوں نے کرناٹک میں بھی قوت حاصل کی۔ پھر ہندوستان کا سب سے ترقی یافتہ اور دولت مند صوبہ بنگال ان کا نشانہ بنا اور ۲۱رجولائی ۱۷۵۷ء کو انھوں نے سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دی۔ سراج الدولہ جیسے جرنیل کو شکست انگریز نے بہادری سے نہیں بلکہ سازشوں کے ذریعے دی تھی اور اس فتح میں ان کے مددگار رامّی چند، لطف خان، میرجعفر، مانک چند، راج بلب اور درلاب جیسے ضمیرفروش تھے۔[۱۸] سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست دے کر انگریز برّصغیر میں تجارت کے ساتھ حکومت کے بھی حصّے دار بن گئے۔[۱۹] پلاسی کے صرف ۷ سال بعد ۱۵رستمبر ۱۷۶۴ء کو بکسر کی جنگ میں شجاع الدولہ کی شکست نے انھیں یہاں اور بھی مضبوط کر دیا۔ شاہ عالم اگرچہ ہندوستان کے شہنشاہ کہلاتے تھے مگر ان کی حیثیت ''بے ملک نواب'' کی طرح تھی اور یہ بے ملک نواب اس وقت اپنے وزیر کے ساتھ الہ آباد میں مقیم تھا۔ بنگال کی انگریزی مقبوضات کے گورنر کلائیو نے ۱۷۶۵ء میں اس ''بے نام بادشاہ کی بادشاہت'' کو تسلیم کر کے ان کی ظاہری شان وشوکت کو برقرار رکھنے کے لیے کورہ اور الہ آباد کے اضلاع ان کے حوالے کر دیے اور پھر اس بادشاہ سے وہ کمپنی کے نام پر دیوانی حاصل کر کے ایک طرف وہ بنارس اور الہ آباد پر قبضے میں کامیاب ہوئے تو دوسری طرف اس صلح نے شاہ عالم کو کمپنی کا باج گزار بھی بنا دیا۔[۲۰] اور پھر میسور کے حکمران حیدرعلی اور اس کے بیٹے ٹیپوسلطان سے چار جنگوں پھر ۱۷۹۹ء میں ٹیپوسلطان کی شہادت کے بعد میسور فتح کر کے جنرل ہارس نے یہ نعرہ لگایا کہ ''آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔''[۲۱]

بقول لارڈ میکالے، جنگ پلاسی کے بعد کی حالت کا نقشہ کچھ اس طرح تھا:

> دولت کی وہ موسلا دھار بارش جو کمپنی اور اس کے ملازمین پر برسی اس کا کچھ حدوحساب نہ تھا۔[۲۲]

۱۸۱۵ء کے بعد سے یورپ کی تاریخ ان کی ترقی کی تاریخ رہی۔[۲۳] اٹھارویں صدی میں برطانیہ میں تین انقلاب رُونما ہوئے۔ اوّل صنعتی انقلاب، دوم امریکا اعلانِ آزادی، سوم انقلابِ فرانس۔ وہ صنعتی انقلاب جس نے برطانیہ کی تہذیب و

تمدن کا رُخ بدل دیا اس کا تعلق براہِ راست ہندوستان سے تھا۔ ہندوستان جو اس وقت چین کے بعد دُنیا کا دوسرا دولت مند ملک تھا۔ اس کا جی ڈی پی عالمی معیشت کا ۲۵ فیصد تھا، جب کہ اس وقت برطانیہ کا ا۹ء فیصد تھا۔ ول ڈیورنٹ اپنی کتاب ''تہذیب کی داستان'' میں لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں ٹیکسٹائل، اسٹیل اور جہاز سازی کی صنعتیں ترقی یافتہ تھیں لیکن جب برطانیہ نے قبضہ کیا تو ساری صنعتیں تباہ ہوگئیں'' کمپنی نے جس طرح ہندوستان کی صنعتوں کو تباہ کیا اس کا اندازہ ولیم بوسٹس کے ۱۷۷۲ء میں کہے جانے والے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے:

> تمام اندورنِ ہند کی تجارت اور کمپنی کا ایک خاص طریقے پر ہندوستان میں روپے لگانا یہ سب مسلسل مظالم کا ایسا منظر ہے جس کے بُرے اثرات کو ہندوستان کا ہر کپڑا بُننے والا محسوس کررہا ہے۔ ہر سامان جو تیار کیا جاتا ہے وہ کمپنی کی ملکیت بن جاتا ہے اور انگریز اپنے بنیوں اور گماشتوں کے ذریعے انتہائی تکبر سے یہ طے کرتے ہیں کہ ہر کاریگر کتنا مال کس قیمت پر دے گا۔ جب ان باتوں کے تصفیے سے ہندوستانی جلاھے کمپنی سے پیشگی روپیا لینے سے انکار کرتے ہیں تو وہ روپیا زبردستی ان کی کمر میں بندھوادیا جاتا ہے اور پھر اس جلاھے کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ اس محکمے میں جو بدمعاشیاں کی جاتی ہیں وہ وہم و قیاس میں بھی نہیں آسکتیں۔ کمپنی کے گماشتے جو نرخ مقرر کرتے ہیں وہ بازار کے نرخ سے چالیس فیصد کم ہوتا ہے۔ ریشم کاتنے والے بے شمار کاریگروں نے ان تکالیف سے تنگ آکر اپنے انگوٹھے کٹوا لیے ہیں۔ (۲۳)

برطانیہ کا وہ صنعتی انقلاب جس سے دورِ جدید کا جنم ہوا تھا اور وہ دورِ جدید جس کی تقریب رُونمائی برطانیہ میں ہوئی تھی اس کا تمام تر خرچہ مسلم ہندوستان نے اُٹھایا تھا۔ غرض یہ کہ ہندوستان کو برطانیہ کی نوآبادیاتی لُوٹ مار کی بدترین مثال کہا جاسکتا ہے۔ (۲۴)

ہندوستان میں انگریزوں نے ۱۸۰۳ء میں دہلی، آگرہ، علی گڑھ پر بھی قبضہ کرلیا اور لال قلعہ پر فوجی دستہ تعینات کردیا اس سبب یہ کہنا درست ہوگا کہ اکبر شاہ دوم (۱۸۰۶ء۔۱۸۳۷ء) اور بہادر شاہ ظفر (۱۸۳۷ء۔۱۸۵۷ء) صرف لال قلعہ کے ہی حکمران رہ گئے تھے۔ (۲۵) انگریز کی معاشی لُوٹ مار اور دیگر مظالم کے خلاف نفرت، جوش اور انتقام تو ملک کے کونے کونے میں ہی جنم لے چکا تھا لیکن اس کی ابتدا ۱۰ رمئی ۱۸۵۷ء (۲۶) کو میرٹھ چھاؤنی سے ہوئی (۲۷) مگر انگریز کے خلاف یہ جنگ جو مسلمانوں اور ہندوؤں نے ساتھ شروع کی تھی ناکام ہوئی۔ بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوئے اور تیس ہزار شہزادگان گرفتار کرکے بیرونِ دروازۂ دہلی قتل کیے گئے۔ ان میں بادشاہ کے بیٹے، پوتے، نواسے اور داماد وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ انگریزوں نے دہلی میں پُرامن شہریوں کے قتلِ عام کی حکمت عملی پر بھی عمل کیا۔ (۲۸) بہادر شاہ ظفر پر بغاوت کے جرم میں ایک

مقدمہ چلایا گیا جس کی کاروائی دہلی میں ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء کو یورپی کمیشن کے تحت عمل میں آئی، قلعۂ دہلی کے دیوانِ خاص میں اس کی کاروائیاں ہوئیں۔(۲۹) مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت نے اس اعتراض کو کہ ''جو شخص قانون کی رو سے فرمانروا ہو وہ اپنے گماشتوں کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتا'' نظر انداز کر دیا۔(۳۰) ۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو انھیں رنگون جلا وطن کیا گیا اور انھوں نے وہیں ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو سخت مفلسی اور بے بسی میں اپنی زندگی ختم کی۔(۳۱) ۱۸۵۷ء کی ناکامی وہ جنگی ناکامی تھی جس نے معاشرے کے ہر فرد کو متاثر کیا۔(۳۲) جنگ کے خاتمے پر ہندو اور مسلمانوں میں نفاق پیدا ہوا مگر برطانوی افسران کے دلوں میں مسلمانوں کے حوالے سے شک زیادہ تھا۔(۳۳) وہ انھی کو ''شورش کا بانی، اپنا دُشمن اور غدار سمجھ کر مٹانے پر تلے ہوئے تھے'' مفتوح ہندو بھی تھے مگر انگریز انھیں اپنا مخالف نہیں بلکہ دوست سمجھتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت نازک اور قابلِ رحم تھی۔(۳۴) اس آزادی کی جنگ کے انتقام کے طور پر مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اس کی فہرست طویل ہے، خاص طور پر دہلی میں تو مسلمانوں کے محلّے اُجاڑ کر ان کی جگہ ہندوؤں کو بسایا گیا۔ برّصغیر کا ہر علاقہ انگریز کے انتقام کا نشانہ بنا۔ قتل عام کیے گئے، عمارتیں گرادی گئیں، درس گاہیں ویران کردی گئیں، خانقاہیں اور بزرگوں کے رُوحانی مراکز اُجاڑ دیے گئے۔ شاہی قلعے کا وہ کتب خانہ جس کا نام و نشان مٹا دیا گیا اس میں ہمایوں کے ذخائر، اکبر کے زمانے کی ترجمہ شدہ کتابیں، جہانگیر کے زمانے کے صناعی و کاریگری کے نمونے تھے۔ اس کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ کا کُتب خانہ مدرسۂ دارالبقاء، نواب ضیاءالدین احمد کا کُتب خانہ، مرزا حسین صاحب کا کُتب خانہ، تمام اہم مقبروں اور خانقاہوں کے کُتب خانے غرض یہ کہ ان کی فہرست بہت طویل ہے۔(۳۵) تحریک مجاہدین(۳۶) کے خلاف باقاعدہ کاروائی کی گئی، بے شمار علما کو پھانسی دی گئی کیوں کہ پنجاب اور سرحد میں انگریز اور مجاہدین کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ ۱۸۵۲ء سے ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔(۳۷) عام لوگوں پر گولیوں کی بوچھار کوچ کرتے ہوئے سپاہیوں کا مشغلہ تھا۔ مسلمانوں کو سور کی کھالوں میں سلوانا اور ان پر سور کا خون ملنا اور مسلمانوں کا ساتھ دینے والے ہندوؤں کے منہ میں گائے کا گوشت ٹھونس دینا اور لاشوں کے اعضا کاٹ دینا ایک عام بات تھی۔(۳۸) کمپنی کے دور میں ہونے والے مظالم کے حوالے سے ڈبلو ڈبلو ہنٹر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

> پریزیڈینسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصّہ تقریباً معدوم ہو چکا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر اور کوئی اُمید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قلی، چپڑاسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والے یا قلموں کو ٹھیک کرنے کے سوا یہ اور کوئی ملازمت کر سکیں۔(۳۹)

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ہندوستان کمپنی کی حکومت سے تاجِ برطانیہ کے تحت آ گیا۔ اس وقت یہ ایک رسمی اعلان ہی تھا کیوں کہ ۱۸۵۳ء کے چارٹر ایکٹ سے کمپنی کے سیاسی اقتدار کا پہلے ہی خاتمہ ہو چکا تھا۔(۴۰)

اس تمام صورت حال سے مسلمان غریب ہوتے گئے۔ یہ وہی قوم تھی جو ایک صدی پہلے تک تمام حکومت کی اجارہ دار تھی اب نظامِ حکومت میں اس کا تناسب ایک اور تین کا رہ گیا تھا۔(۴۱) برّصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا یہ بڑا ہی المناک

وقت تھا۔ اس وقت ان تمام تر حالات میں شکست خوردہ قوم میں اعتماد اور مستقبل کے حوالے سے یقین پیدا کرنے والی سر سیّد کی علی گڑھ تحریک ایک ہمہ گیر تحریک ثابت ہوئی۔[۴۲] سر سیّد احمد خان نے ۱۸۵۷ء سے پہلے کی حالت بھی دیکھی تھی اور بعد کی بھی۔ اور یہ بات بھی ان کے علم میں تھی کہ زوال کے آثار اس وقت سے پہلے ہی شروع ہو چکے تھے[۴۳] مگر یہ وقت جو ''ہندوستان کی قوموں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا اور سر سیّد کے خیالات میں ایک انقلابِ عظیم پیدا کرنے والا'' تھا۔[۴۴] اس وقت سر سیّد کمپنی کی ملازمت میں تھے۔ وہ بجنور کے ''صدر امین'' تھے۔[۴۵] اس وقت انھوں نے تباہی، بربادی اور ذلّت کے جو مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے وہ فراموش کرنے کے قابل نہیں تھے۔ انھوں نے کہا:

> ...... میں اس وقت ہرگز نہیں سمجھتا تھا کہ قوم پھر سے پنپے گی اور کچھ عزت پائے گی اور جو حال اس وقت قوم کا تھا مجھ سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ چند روز میں اسی غم میں رہا۔ آپ یقین کیجیے کہ اس غم نے مجھے بڑھا کر دیا اور میرے بال سفید کر دیے......[۴۶]

سر سیّد نے اپنے دل میں اس وقت جس درد کو جگہ دی وہ مرتے دم تک ان کے ساتھ رہا (۴۷) قوم جو حالتِ نزع میں تھی ان کی جدوجہد قوم کو ابدی ذلّت سے بچانے اور قومی زندگی کا رُخ موڑنے میں معاون و مددگار ہوئی۔ وہ انگریزوں کی سیاسی نکتہ آفرینیوں کو سمجھتے تھے۔ ان کی حکومت، ان کی طاقت اور ان کی مضبوطی سے واقف تھے۔ سر سیّد کو انگریز حکومت سے محبت میں ہی قوم کی بہتری کا راستہ دِکھائی دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو کسی ایسی تحریک یا جماعت میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتے تھے جو حکومت کی ناراضگی کا باعث ہو۔[۴۸] سر سیّد پر انگریزوں کی وفاداری کا الزام لگایا گیا کہ انھوں نے سامراج دوستی کا حق ادا کیا مگر اس وفاداری کا صلہ انھوں نے ذاتی مفاد کے بجائے قومی فلاح کی صورت میں حاصل کیا اور مسلمانوں کی عزت کے معاملے میں ان کے اندر کبھی کوئی لچک نہیں دیکھی گئی۔[۴۹] اس کی ایک مثال آگرے کے دربار کی تھی۔ ۱۸۶۷ء میں سر سیّد اس دربار سے اس لیے ناراض ہو کر چلے گئے تھے کہ وہاں انگریزوں اور ہندوستانیوں کی نشستوں میں امتیاز رکھتے ہوئے ہندوستانیوں کو انگریزوں کے مقابلے میں نیچے جگہ دی گئی تھی، جب کہ اس دربار میں انھیں طلائی تمغہ ملنے والا تھا۔ ۱۸۸۸ء میں جب سر سیّد کو بمقام علی گڑھ کے سی ایس آئی کا خطاب ملا تو اس وقت کلکٹر علی گڑھ مسٹر کینڈی نے سر سیّد کی تعریف میں جو تقریر کی اس میں یہ بھی کہا کہ ''یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے واسطے کبھی کچھ نہیں چاہا بلکہ ہر چیز اپنے ملک کے واسطے چاہی'' مگر اس وقت ان کی اپنی ہی قوم ان کو کافر، ملحد، لامذہب، دجال اور کرسٹان کے خطاب دیتی رہی اور کفر کے فتوے لگاتی رہی اور اودھ پنچ میں ہنسی اُڑاتی رہی۔[۵۰] غرض یہ کہ سر سیّد کا مقصد مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی عظمت دلانا تھا اور ان کے مقاصد کی راہ میں انگریز اور ہندوؤں کے علاوہ خود مسلمان بھی حائل تھے۔[۵۱] یقیناً سر سیّد ایسے مجاہد تھے جنھوں نے قوم کو گالیاں کھا کر دُعائیں دیں۔[۵۲]

ایک مرتبہ انڈین آبزرور کے ایک مقالہ نگار نے مسلمانوں کے لیے سور کا لفظ استعمال کیا تو سر سیّد نے کہا:

> ہماری رائے یہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جو لفظ سخت اور

خراب سے خراب ان کی نسبت استعمال کیے جائیں وہ سب درست اور بجا ہیں اور اسی سبب سے ان سویلائزڈ الفاظ سے جو انڈین آبزرور میں آرٹیکل لکھنے والے نے ہم مسلمانوں کی نسبت لکھے ہیں، ہم کو کچھ کرنا ناراضی نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کی تحریر سے ہم کو توقع ہوتی ہے کہ ہماری قوم کو غیرت اور شرم آئے گی اور وہ اپنی حالت کی درستی اور اصلاح پر متوجہ ہوگی۔[۵۳]

سرسیّد اس دُکھ کو محسوس کرتے تھے اس لیے کہا:

ہماری قوم کا جو حال ہے وہ غیر قوموں کی نظروں میں نہایت حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔[۵۴]

سرسیّد کا جہاد ہمہ جہت تھا۔ انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی ہر شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی کی اور مذہب، سیاست اور اخلاق کے میدانوں میں اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔[۵۵]

۱۸۵۷ء کے بعد کا نازک وقت جب آزادی کے نام پر زبان کٹ جاتی تھی، حاکم کی زبان ہی قانون تھی اور مسلمانوں کو مجرم قرار دینے کے لیے صرف مسلمان ہونا کافی تھا، کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ انھوں نے ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' لکھ کر[۵۶] اس جنگ کے اسباب گورنمنٹ پر ظاہر کرنا ملک و قوم اور خود گورنمنٹ کی خیرخواہی سمجھا اور دُور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے ملک میں عام شائع نہیں کیا بلکہ اس کی کاپی گورنمنٹ کو بھیجی۔[۵۷] یہ کتاب اس وقت جنگ آزادی کا تجزیاتی مطالعہ تھا[۵۸] جو سرسیّد نے ''منطقیانہ استدلال اور عقلی تجزیے'' کے ساتھ کیا تھا۔[۵۹] انھوں نے اس تجزیاتی مطالعے میں اس وقت کے حالات کو بہت سی باتوں کا نتیجہ کہا جن میں نظامِ حکومت اور قانون ساز جماعت میں ہندوستانیوں کو شریک نہ کرنا، گورنمنٹ کی مذہبی مداخلت کا گمان ہونا، گورنمنٹ افسران کا مشنری کاموں میں روپیا دینا، مشنری اسکولوں اور دیہاتی مدارس میں جدید طریقۂ تعلیم کو اور عیسائیت کی اشاعت کا ذریعہ بنانا، ایسے آئین وضوابط اور طریقہ کار کا جاری ہونا جو ہندوستانی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات کے موافق نہیں تھے۔ مثال کے طور پر ایکٹ ۲۱، ۱۸۵۰ء کا نفاذ جس کی رو سے عیسائی مذہب قبول کرنے والے آبائی ترکہ حاصل کر سکتے تھے یا قوانین ضبطی آراضی لاخراج مجریہ ۱۸۱۹ء قانون اسٹامپ وغیرہ، حکام کی سخت مزاجی اور بدزبانی، ہندوستانیوں کی بے توقیری اور عزت کا نہ ہونا، سور یا گائے کی چربی کی شے والے کارتوس کے معاملے پر بارک پور کی پوری پلٹن کو موقوف کرنا اور اسی حوالے سے میرٹھ میں سپاہیوں کو انتہائی سخت سزاؤں کا دینا وغیرہ[۶۰] پھر جب اس سانحے کے بارہ سال بعد ۱۸۶۹ء میں سرسیّد لندن گئے تو اس وقت سرجان کے ای[۶۱] اس حوالے سے انتہائی اہم محقق سمجھے جاتے تھے اور وہ اپنی تحقیق سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ''یہ صرف ایک فوجی بغاوت نہ تھی'' انھوں نے ۳۰؍نومبر ۱۸۶۹ء کو سرسیّد کو ایک خط لکھا، سرسیّد نے ان کی رائے سے متاثر ہوئے بغیر اس کا انگریزی میں ۱۴؍دسمبر ۱۸۶۹ء کو جواب دیا[۶۲] اور کہا:

''غدر عوامی بغاوت نہیں تھی۔''

مزید کہا:

> فوجی بغاوت کی اصطلاح اس بارے میں استعمال کرنا حقائق سے تجاوز کرنا ہے۔ چربی والے کارتوس کے حوالے سے مذہبی رُجحانات کے باوجود میرٹھ میں سخت سزاؤں کا عائد کرنا تھا۔(۶۳)

سرسیّد نے انگریزوں کی نفرت میں کمی کے لیے انگریزی اور اُردو میں ''لائل محمڈنز آف انڈیا''(۶۴) (وفادار مسلمانانِ ہند) لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ۱۸۵۷ء کے نازک وقت میں انگریزوں کا ساتھ دینے والے مسلمانوں کا ذکر کیا۔(۶۵) ''تبیین الکلام'' کے نام سے انجیل کی تفسیر لکھ کر اسلام کے متعلق عیسائیوں کی بدگمانیاں بھی دُور کیں اور مسلمانوں کی بائبل کے حوالے سے تحریفِ لفظی کے خیال اور عیسائی حکمرانوں کے حوالے سے تعصّبات دُور کیے۔(۶۶) ولیم میور جس نے ''لائف آف محمد''(۶۷) لکھ کر مسلمان علما کے اقوال و دلائل کو خوبی کے ساتھ اسلام ہی کے خلاف استعمال کیا۔ اس کے جواب میں ''خطباتِ احمدیہ'' لکھی اور علمی تحقیقات اور استدلال سے ان تمام اعتراضات کے جواب دیے جو عام طور پر عیسائی اسلام پر کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر غلامی کا رواج، جہاد، تعدادِ ازواج، طلاق، نبی کریم ﷺ کی کثرتِ ازواج، معجزات جن میں معراج اور شق صدر وغیرہ شامل تھے۔(۶۸)

''خطباتِ احمدیہ'' کے بارے میں سرسیّد خود کہتے ہیں:

> ۱۸۷۰ء میں جب کہ خطباتِ احمدیہ چھپ کر لندن میں شائع ہوئی تو اس پر لندن کے ایک اخبار میں کسی انگریز نے لکھا تھا کہ عیسائیوں کو ہوشیار ہوجانا چاہیے کہ ہندوستان کے ایک مسلمان نے ان ہی کے ملک میں بیٹھ کر ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس نے دکھایا ہے کہ اسلام ان داغ دھبوں سے پاک ہے جو عیسائی اس کے خوش نما چہرے پر لگاتے ہیں۔(۶۹)

اس وقت جدید علوم کا لٹریچر انگریزی میں تھا اور مسلمان انگریزی تعلیم یا انگریزوں کی کوئی بھی چیز اپنانا اپنے ایمان کا متاثر ہونا خیال کرتے تھے۔ وہ انگلستان گئے، انگریز کی ترقی کے اسباب پر غور کیا۔ وہاں کے تعلیمی نظام کا جائزہ لیا۔ اپنے ہاں اداروں کا قیام عمل میں لائے۔ انھوں نے مسلمانوں میں جدید علوم کے خلاف نفرت کا خاتمہ کرنے کے لیے مختلف علمی، ادبی اور سیاسی خدمات انجام دیں۔ فلسفہ، سائنس اور جدید لٹریچر کو ملکی زبان میں ترجمے کے لیے ''سائنٹفک سوسائٹی'' قائم کی۔ اس سوسائٹی کے کام کی رفتار کو موثر بنانے کے لیے ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کے نام سے اخبار نکالا جس کا افتتاحیہ اور دیگر معاشرتی، سیاسی، علمی اور اخلاقی موضوعات پر خود مقالات لکھتے رہے۔ ۸/جنوری ۱۸۷۷ء وہ علی گڑھ کالج کا قیام عمل میں

لائے۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد ۱۸۸۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس جیسا ادارہ قائم کیا، قومی بیداری کے لیے ہی ایک جریدہ ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا کیا۔[۷۰] سیاست دان، مذہبی مفکر، معاشرتی مصلح اور رہنما ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک صاحبِ طرز ادیب بھی تھے۔[۷۱] انھوں نے اپنے زمانے کے مصنفوں اور ادیبوں کو اپنے نظریات و خیالات سے بے حد متاثر کیا، یہاں تک کہ مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔[۷۲]

۱۸۵۷ء کے بعد دس سال تک سرسیّد نے جتنے بھی کام کیے اس میں مسلمان اور ہندو دونوں شریک تھے مثال کے طور پر ''مرادآباد کا یتیم خانہ، غازی پور کا مدرسہ، سائنٹفک سوسائٹی، برٹش انڈین ایسوسی ایشن، علی گڑھ کالج، صوبہ جات متحدہ میں تعلیمی کمیٹیاں وغیرہ'' مگر مسلمانوں اور ہندوؤں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے جو خاص تدابیر اختیار کی گئیں وہ زیادہ تر اسکول اور کالجوں میں کامیاب ہوئیں۔ ۱۸۶۷ء میں اُردو اور ہندی کا جھگڑا شروع ہوا۔ بنارس اور الہ آباد میں ہندی کمیٹیاں قائم ہوئیں اور پھر دیگر صوبہ جات میں وسیع پیمانے پر تحریک شروع ہوئی وہ یہ کہ عدالتی اور سرکاری کاغذات میں ہندی زبان اور ہندی رسم الخط کا استعمال کیا جائے اس وقت سرسیّد نے کہا:

> یہ پہلا موقع تھا جو مجھے یقین ہوا کہ اب ہندو اور مسلمانوں کا بطور ایک قوم ساتھ چلنا مشکل ہے...... انھی دنوں میں جب کہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا، ایک روز مسٹر شیکسپیئر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر میں تھے، مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے، آخر انھوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کیا کرتے تھے، میں نے کہا کہ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہوسکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت و عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے، جو زندہ رہے گا وہ دیکھے گا۔[۷۳]

اس وقت محض اُردو کی مخالفت سے ہندو اور مسلمان دو مختلف اقوام ہوئیں اور دو قومی نظریے کی بنیاد پڑی اور یہی نظریہ بعد میں پاکستان کی بنیاد بنا[۷۴] مگر انھوں نے ''مسلمانوں کے لیے جو راہ تجویز کی تھی وہ صحیح تھی اور تلخ تجربوں'' کے بعد اسی راہ پر چلنے کی اہمیت محسوس کی گئی۔[۷۵] سرسیّد دُنیا میں اپنا کام پورا کر کے ۲۷/مارچ ۱۸۹۸ء کو رُخصت ہوگئے۔[۷۶] برطانوی حکومت کی طرف سے بھیجے جانے والے آخری وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے وقت میں تقسیمِ ہند کے معاملات عمل میں آئے[۷۷] اور ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کی ایک طویل جدوجہد کے بعد ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کا قیام عمل میں آ گیا۔[۷۸]

دوسری عالمی جنگ (۹۷) کے بعد دُنیا نے روس امریکا سرد جنگ کا سامنا کیا۔ امریکا پوری دُنیا میں برطانیہ کی

روایتی جگہ کے حصول کے لیے باقاعدہ سرگرم دکھائی دیا۔ نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ تو ہوا مگر نوآزاد اقوام نے نوآبادیاتی سیاست کی ایک نئی شکل کا سامنا کیا یہ سفر تشدد سے دھوکا دہی اور مکاری کی پالیسی کی طرف انتقال کا سفر تھا۔ اب نوآزاد ممالک پر ترقی کا سرمایہ دارانہ انداز مسلّط کیا جاتا رہا جس کے کئی طریقے تھے۔ نوآبادیاتی جنگیں، فوجی بلاک، سازشیں، دہشت گردی، تخریبی کاروائیاں، معاشی دباؤ، غلام بنانے والی امداد، قومی سرمایہ دار طبقے کو اپنے ساتھ ملانا، قومی تحریکِ آزادی میں پھوٹ کی کوششیں، مقامی رجعت پرست قوتوں سے گٹھ جوڑ، ترقی پذیر ممالک کی دست نگری سے فائدہ اُٹھانا وغیرہ، مگر امریکی ایجنسی برائے بین الاقوامی ترقی کے سابقہ ڈائریکٹر فاؤلر ہیملٹن کے بقول ''امداد'' سرد جنگ کا سب سے موثر ہتھیار تھا کیوں کہ قرض دینے والے ممالک لینے والے کی سیاسی آزادی اور قومی خودمختاری پر اثرانداز ہوتے ہیں اور وہ ان کی مرضی کے بغیر قومی اور بین الاقوامی پالیسی مرتب نہیں کرسکتے۔ یہ استعماراتی نفسیات کے مالک ممالک طفیلی ممالک سے اپنے استعماراتی مقاصد کی تکمیل کے لیے مخصوص افراد کی خدمات حاصل کرتے ہیں اور یہ افراد معاشی غارت گر یا اکنامک ہٹ مین یا ای۔ایچ۔ایم[۸۰] کہلاتے ہیں۔ اس وقت دُنیا بھر میں یہ معاشی غارت گر عالمی مالیاتی اداروں کا استعمال کرتے ہوئے ایسی صورت حال پیدا کرتے ہیں کہ دیگر اقوام ان کے بینک، حکومت اور بڑی بڑی کارپوریشنوں کو چلانے والی اشرافیہ کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ بظاہر یہ دوسری اقوام پر احسان کرتے ہیں، معاشی انفراسٹرکچر، بجلی پیدا کرنے والے پلانٹ، سڑکیں، بندرگاہیں، ہوائی اڈّے اور صنعتی علاقے مہیّا کرنے اور ترقی دینے کے لیے قرضے فراہم کرتے ہیں مگر تمام منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے قرضے فراہم کرتے ہیں مگر تمام منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے شرط یہ ہوتی ہے کہ یہ تعمیراتی کام انھی کی انجینئرنگ اور تعمیراتی کمپنیاں کریں گی اس طرح قرضوں کی رقم کا زیادہ حصّہ ان کے ملک سے باہر نہیں جاتا ہے۔ اقوامِ متحدہ میں مقروض ملک کا ووٹ ان کے قابو میں آجاتا ہے، ان کی زمین پر فوجی اڈّوں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے، وہاں کے قدرتی وسائل پر قبضہ کیا جاتا ہے اس کے باوجود مقروض ملک کے ذمّے سود کے ساتھ اصل رقم برقرار رہتی ہے۔[۸۱]

اس وقت دُنیا رُوس، امریکا سرد جنگ کے نتائج بھی دیکھ کر (۸۲) نئے امریکی عالمی فرمان[۸۳] کا سامنا بھی کرکے اکیسویں صدی میں داخل ہوچکی ہے۔ ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے حادثے[۸۴] کے بعد امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے امریکی قوم سے خطاب میں ان حملوں کو قومی المیہ اور دہشت گردی قرار دیتے ہوئے[۸۵] ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو دہشت گردی کے خلاف صلیبی جنگ کے آغاز کی خبر دے کر[۸۶] تحقیقات کیے بغیر مسلمانوں کو اس کا ذمّے دار قرار دیا[۸۷] القاعدہ کو ملوث قرار دے کر کہا کہ دہشت گردی کا یہ کیمپ افغانستان میں قائم ہے اور اسے طالبان کی حمایت حاصل ہے اور دُنیا بھر میں اس کی شاخیں موجود ہیں[۸۸] پاکستان کو تعاون کا حکم نامہ دیا اور اس حوالے سے پاکستانی صدر پرویز مشرف نے اتحادی بننے کا فیصلہ کیا[۸۹] تجزیہ نگاروں کے مطابق ان کے لیے کوئی راستہ چھوڑا ہی نہیں گیا تھا اور بالکل واضح تھا کہ پاکستان اس جنگ میں یا اتحادی ہے یا نشانہ۔[۹۰]

نائن الیون نے امریکا کو پوری دُنیا پر جنگ مسلّط کرنے کا موقع دیا۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکی صدر جارج ڈبلیو بش

کی تجویز وتحریک پر افغانستان کو مرکز جان کر ساری دُنیا سے عالمی دہشت گردی، تخریب کاری، مذہبی انتہا پسندی، اسلامی بنیاد پرستانہ جہادی سرگرمیوں، طالبان، ملاعمر، اسامہ بن لادن اور القاعدہ نیٹ ورک کی فکر کے خاتمے کے لیے تیسری عالمی جنگ چھیڑنے کا اعلان با قاعدہ افغانستان پر بمباری سے کر دیا گیا۔(۹۱) ''امریکا کو ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا سانحہ ایک پیکیج کے طور پر ملا۔ اس میں پالیسیاں، گڑبڑ اور جذبات سے کھیلنے کا عمل شامل تھا'' اور کسی شرم کے بغیر جارج ڈبلیو بش کے سیاسی کیریئر کو آگے بڑھانے کے لیے اس کا بار بار استعمال کیا گیا(۹۲) جب کہ اس وقت امریکی تحقیقاتی اداروں کا یہ فرض تھا کہ اس حادثے کے عوامل داخلی سطح پر بھی تلاش کیے جاتے(۹۳) اور اس سانحے کو بنیاد بنا کر انسان دُشمن قوتوں کے مقابلے میں اقوامِ عالم کو متحد کیا جاتا مگر کہا گیا کہ ''اگر تم ہمارے ساتھ نہیں ہو تو تم دہشت گردوں کے حامی ہو'' دُنیا نے دہشت گردی کے خلاف شروع کی جانے والی اس مہم کے بہت کم فائدے اور بے پناہ نقصانات دیکھے۔ اس کے تحت امریکا نے دُنیا کے بڑے مذہب اسلام کے پیروکاروں کو مشتبہ، دہشت گرد اور متشدد کہا۔ اس کے علاوہ شہری آزادیوں کو کچلا گیا، مسلمانوں کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ بگرام، گوانتانامو بے اور ابوغریب کی جیلوں میں تذلیل اور تشدد کیا گیا۔(۹۴)

ماضی میں سرسیّد احمد خان نے کہا تھا:

> اے حضرت! گو میں نے اس وقت قوم ہی کا گیت گایا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم کو اور قوموں سے محبت اور برادرانہ محبت نہیں ہے۔ ہماری قوم کی حالت خراب ہے اسی لیے اس کا گیت گایا جاتا ہے ورنہ اور قوموں سے بھی ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی اپنے عزیزوں سے۔(۹۵)

مگر ساتھ ساتھ انھوں نے لدھیانہ کے ایک جلسے میں طالبِ علموں سے مخاطب ہو کر واضح کر دیا تھا کہ:

> تمھارے بیان میں کئی جگہ قوم کا لفظ آیا ہے مگر یاد رکھو قوم کوئی چیز نہیں جب تک وہ قوم قوم نہ ہو...... جب تک وہ اپنے عزیز مذہب کے پیرو اور پابند ہیں تب ہی تک وہ قوم ہیں۔ یاد رکھو کہ اسلام جس پر تم کو جینا ہے اور جس پر تم نے مرنا ہے، اس کو قائم رکھنے ہی سے ہماری قوم قوم ہے۔
>
> اے عزیز بچے! اگر کوئی آسمان کا تارہ ہو جاوے مگر مسلمان نہ رہے تو ہم کو کیا؟ وہ تو ہماری قوم ہی نہ رہا۔(۹۶)

سرسیّد کی ہمہ گیر شخصیت کا چند سطروں میں احاطہ ممکن نہیں تھا لیکن صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام زندگی مقصد کی لگن، سعی مسلسل، استقلال اور آہنی عزم کی علامت تھی(۹۷) اور ملّت کی اصلاح اور رہنمائی کی دورِ حاضر میں بھی اتنی ہی شدید ضرورت ہے جتنی دورِ سرسیّد میں تھی۔ ہم آج بھی سرسیّد سے استفادے کی کوشش سے اپنی قوم کے لیے دُنیا میں درست سمت کا

تعین کر سکتے ہیں۔(۹۸)

جب ہم دُنیا میں آج کا سیاسی منظر نامہ دیکھتے ہیں تو یاد آتے ہیں وہ الفاظ جو وفاتِ سرسیّد پر حالی نے کہا تھا:

> اگر ہمارے آنسو جھوٹے نہیں......آپ جو سرسیّد کے ہم مذہب اور ثناخواں ہیں اور اگر آپ کا یہ غم والم سچا ہے تو کیا آپ کو رونے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں؟ سمجھ لیجیے یہ شخص جس کو آپ رو رہے ہیں یہ اس قدر مفلس تھا کہ نہ اس کے پاس رہنے کو گھر تھا نہ مرنے کو لیکن پھر بھی اس نے ایک دولت آپ کے لیے چھوڑی ہے وہ آپ کے لیے یہ کام چھوڑ گیا ہے کہ تعصب اور جہالت کے مقابلے میں شریفانہ لڑائی جاری رکھو......(۹۹)

تجزیہ ونتائج

نوآبادیاتی نظامِ حکومت اس سے پہلے تک کے تمام حکومتی نظاموں سے مختلف اس لیے تھا کہ اس میں قابض گروہ، باشندوں سے جو تعلق قائم کرتے تھے وہ ناانصافی اور جبر پر مبنی ہوتا تھا یعنی اس نظامِ حکومت میں علم، حکمت، تدبر کے ساتھ حکومت کی باتیں کی گئیں اور لہو پی پی کر مساوات کی تعلیم دی گئی تھی۔ اہلِ برّصغیر نے اس نظام کا سامنا بھی کیا اور آزادی کے لیے تدابیر اور جدوجہد بھی کی جس وقت انگریز اس خطّے کے مطلق العنان حکمران تھے اس وقت وفاداری اور حریت کی ایک کشمکش تھی جس کا سرسیّد کی مصلحت پسند طبیعت نے انتہائی دلیری سے سامنا کیا کیوں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا فیصلہ انگریز کے حق میں ہونے کے بعد یہاں مسلمان ہرطرح کی سیاسی معاشرتی اور اقتصادی بدحالیوں کا شکار ہوئے۔ سرسیّد نے اس وقت قوم کو ابدی ذلّت سے بچانے کے لیے جو لائحہ عمل اختیار کیا وہ ہمارے لیے قابلِ غور ہے۔ انھوں نے اپنوں اور غیروں کی مخالفتوں کا سامنا کرتے ہوئے جرأت، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ، وسائل کے فقدان کے باوجود علمی، اصلاحی، اخلاقی، معاشرتی، تہذیبی اور سیاسی ہر سطح پر قومی سربلندی کے لیے جنگ کی۔

اس وقت ۲۰۱۷ء ہے اور ہم ایک آزاد ملک ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں سانس لے رہے ہیں۔ یہ ملک جس کی پہلی اینٹ بقول مولوی عبدالحق سرسیّد احمد خان نے رکھی تھی۔(۱۰۰) اس وقت دُنیا کی موجودہ صورت حال یہ ہے کہ دوسری عالمی جنگ (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) کے بعد بظاہر نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہو چکا ہے لیکن آج دُنیا میں سامراجی شکنجے نے معاشی اور تعلیمی سطح پر آزاد ممالک کو اپنا پابند بنا کر غلام بنانے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے یعنی اس وقت دُنیا نوآبادیاتی نظام سے آزادی کے بعد نوآبادیاتی سیاست کی نئی شکل کا سامنا کر رہی ہے جو تشدد سے دھوکا دہی اور مکاری کی پالیسی کی طرف انتقال کا ہے اسے نئی قسم کا نوآبادیاتی نظام کہا جاسکتا ہے جس کے تحت آزاد ممالک اپنی آزادی پر نازاں بھی ہیں اور کئی طرح سے سامراجی نفسیات کے مالک ممالک کے پابند بھی ہیں۔

اس کے علاوہ ۲۰۰۱ء کا حادثہ جسے نائن الیون کہا جاتا ہے اس کے بعد پوری دُنیا میں مسلمانوں کی عزت اور وقار سے کھیلا گیا ہے جب ہم اپنے آزاد ملک کی طرف دیکھتے ہیں تو اس حوالے سے ہم امریکی اتحادی ہونے کی ذمّے داریاں پوری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک طرف ڈرون ہماری ہی سرحدوں سے اُڑ کر ہمارے ہی لوگوں پر گرتے ہیں تو دوسری طرف دہشت گرد ہماری گلیوں سے بڑھ کر ہمارے تعلیمی اداروں کا رُخ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم یہ بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ بیرونِ قرضوں کی گرفت میں ہم کتنے خود انحصار ہیں۔

ان تمام معاملات کے باوجود ہم خود کو حالتِ امن میں سمجھتے ہیں ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہم اجتماعی سطح پر حالتِ جنگ میں ہیں۔ آج ہمیں پھر سرسیّد کے عزم، ہمت اور استقلال کی ضرورت ہے۔ اس مردِ مومن کا دوسوسالہ جشن مناتے ہوئے ہمیں دو باتیں طے کرنے کی ضرورت ہے، اوّل بہ حیثیت مسلمان ہمارا کردار وعمل کیا ہونا چاہیے۔ دوم بہ حیثیت پاکستانی ہم اپنے ملک کو خود انحصاری اور استحکام کی طرف لانے، بیرونی قرضوں سے نجات حاصل کرنے اور اپنی صفوں سے دُشمنوں کو نکالنے کے لیے کیا اقدامات کر سکتے ہیں، کیوں کہ جس قوم کو اپنی تاریخ میں سرسیّد احمد خان جیسی منارۂ روشنی میسّر ہوں اسے کہیں اور سے روشنی مستعار لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

حواشی

(۱) ur.m.wikipedia.org/wiki/colonialism، (ویب گاہ دیکھنے کی تاریخ ۲۹/اپریل ۲۰۱۴ء، وقت ۴/بجے صبح)

(۲) ایچ۔ جی۔ ویلز، مختصر تاریخ عالم، مترجم: محمد عاصم بٹ، (لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۷ء)، ص ۲۶۴

(۳) ایضاً، ص ۳۲۷۔۳۳۱، ۳۶۹

(۴) ثروت صولت، ملّتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد دوم، (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، جون ۲۰۰۶ء)، اشاعت نہم، ص ۴۳۵۔۴۳۹

(۵) باری، کمپنی کی حکومت، (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۹ء)، ص ۱۸۔۲۲، اشاعت چہارم

(۶) گستاوَلی بان (Gustave Le Bon)، تمدنِ عرب، مترجم: سیّد علی بلگرامی، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۶۰ء)، ص ۶۴۳

(۷) محمد احمد سبزواری، ہند میں اُردوساتویں صدی سے، (کراچی: بائینڈ ٹائم پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۰۔۲۷، ۱۲۸، ۱۳۸، اشاعت اوّل

(۸) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۱۴۳۔۱۴۸، ۱۵۸، ۱۷۲، ۱۸۰، ۱۹۴

(۹) ایضاً، ص ۲۶۸۔۲۷۹، ۳۰۶

نیز گستاوَلی بان، تمدنِ ہند، مترجم: سیّد علی بلگرامی، (آگرہ: درمطبع شمسی، باہتمام محمد ابراہیم خان، ۱۹۱۳ء)، ص ۱۵۹

(۱۰) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۰۶، ۳۲۵۔۳۲۹

(۱۱) اشتیاق حسین قریشی، برّعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ، مترجم: ہلال احمد زبیری، (کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف وترجمہ، جامعہ کراچی، سنِ اشاعت، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۱۳

(۱۲) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۱۲۔ ۳۲۳

(۱۳) محمد الیاس فارانی، برّصغیر میں مسلم قومیت کے تصور کا ارتقا، (کراچی: ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۶۸ء)، ص ۴۳

(۱۴) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۶۷

(۱۵) محمد احمد سبزواری، محوّلہ بالا، ص ۹۱۔ ۹۳۔ نیز باری، محوّلہ بالا، ص ۱۔ ۱۶، ۶۶، ۴۳

(۱۶) محمد الیاس فارانی نے ۱۶۰۱ء لکھا ہے۔ محوّلہ بالا، ص ۸۷

(۱۷) باری، محوّلہ بالا، ص ۶۶۔ ۶۷۔ نیز محمد احمد سبزواری، محوّلہ بالا، ص ۹۱۔ ۹۳

نیز ڈاکٹر معین الدین عقیل، آزادی کی قومی تحریک: تحقیق و تجزیہ، (لاہور: مکتبۂ تعمیر انسانیت، ۲۰۰۷ء)، ص ۱۲۔ ۱۳، اشاعت اوّل

نیز ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۷۱

(۱۸) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۷۱۔ ۳۷۲

نیز باری، محوّلہ بالا، ص ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ نیز ایڈورڈ جان ٹامپسن/ جی۔ ٹی۔ گریٹ (Edward John Thompson/ G. T. Garratt)، *Rise and fulfilment of British rule in India*، (لندن: میکمیلن اینڈ کمپنی، ۱۹۳۵ء)، ص ۹۰۔ ۱۰۴

(۱۹) ایڈورڈ تھارٹن، (Edward Thornton)، *History of British India*، جلد سوم، (لندن: ایلن اینڈ کو، ۱۸۴۱ء)، ص ۳۲۴۔ ۳۲۶

نیز ایڈورڈ جان ٹامپسن/ گریٹ جی۔ ٹی، محوّلہ بالا، ص ۲۰۳۔ ۲۱۰

نیز عبداللہ یوسف علی، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، (کراچی: کریم سنز، ۱۹۶۷ء)، ص ۷۳۔ نیز باری، محوّلہ بالا، ص ۵۔ نیز معین الدین عقیل، ڈاکٹر، محوّلہ بالا، ص ۲۶۔ ۲۷

(۲۰) ایڈورڈ تھارٹن، محوّلہ بالا، ص ۴۔ ۳۲۶۔ نیز ایڈورڈ جان ٹامپسن/ گریٹ جی۔ ٹی، محوّلہ بالا، ص ۲۰۳۔ ۲۱۰۔ نیز باری، محوّلہ بالا، ص ۱۳۰۔ ۱۳۹۔ نیز عبداللہ یوسف علی، محوّلہ بالا، ص ۷۳

(۲۱) ایڈورڈ تھارٹن، محوّلہ بالا، ص ۳۲۴۔ ۳۲۶

نیز ایڈورڈ جان ٹامپسن/ گریٹ جی۔ ٹی، محوّلہ بالا، ص ۲۰۳۔ ۲۱۰

نیز باری، محوّلہ بالا، ص ۱۸۲۔ ۱۸۳، ۲۳۲۔ نیز عبداللہ یوسف علی، محوّلہ بالا، ص ۷۳۔ نیز معین الدین عقیل، ڈاکٹر، محوّلہ بالا، ص ۲۸۔ ۳۰

(۲۲) باری، محوّلہ بالا، ص ۲۹۲

(۲۳) ایچ۔ مورس اسٹیفنس، انقلابی یورپ، مترجم: مولوی حسن عابد صاحب، (حیدرآباد دکن: دارالطبع سرکار عالی جامعہ عثمانیہ، ۱۹۲۶ء)، ص ۳۶۷

(۲۴) باری، محوّلہ بالا، ص ۱۸۷۔ ۱۹۰، ۲۸۷۔ ۲۹۲۔ نیز مسلم ہندوستان جس نے صنعتی انقلاب کو جنم دیا،

اتوار اسپیشل رپورٹ، روزنامہ ایکسپریس، ۳/جون ۲۰۱۲ء

(۲۵) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۷۳۔ نیز باری، محوّلہ بالا، ص ۲۸۶۔ نیز انتظام اللہ شہابی، مفتی (مرتّب)، مشاہیر جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء تا ۱۹۵۶ء، (کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ)، ص ۲۳۔۲۵

(۲۶) مفتی انتظام اللہ شہابی نے اس تاریخ کو ۷/مئی ۱۸۵۷ء لکھا ہے۔

(۲۷) پروفیسر محمد خلیل، جہدِ آزادی، (کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، وفاقی گورنمنٹ اُردو کالج، اگست ۱۹۸۳ء)، اشاعت اوّل، ص ۱۰۵

(۲۸) راقم الدولہ ظہیر الدین ظہیر دہلوی، داستانِ غدر یعنی ہنگامہ ۵۷ء کے چشم دید حالات''، (لاہور: اکادمی پنجاب، ادبی دُنیا منزل، جون ۱۹۵۵ء)، ص ۱۵، ۱۵۵۔۱۵۶، ۱۶۴۔۱۶۷، اشاعت اوّل، نیز مفتی انتظام اللہ شہابی، محوّلہ بالا، ص ۲۶۔۲۷، ۲۱۱

(۲۹) خواجہ حسن نظامی دہلوی، غدر دہلی کے افسانوں کا چوتھا حصّہ بہادر شاہ کا مقدمہ، (دہلی: کارکن حلقۂ مشائخ بک ڈپو، ستمبر ۱۹۲۳ء)، اشاعت دوم، ص ۱۔۲

(۳۰) ایچ۔ایل۔او گیریٹ (H.L.O Garrett)، *The trial of Bahadur Shah*، (لاہور: ۱۹۳۲ء)، ص ۲۴۶

(۳۱) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۷۳

(۳۲) ڈاکٹر تنظیم الفردوس، سقوطِ اودھ اور بیگماتِ اودھ، مشمولہ صحیفہ، خصوصی شمارہ، جنوری۔جون ۲۰۰۷ء، شمارہ ۱۸۸، ۱۸۹، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب)، ص ۸۴۔۹۱

نیز ڈاکٹر تنظیم الفردوس، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء: تاریخی حقائق کے نئے زاویے (نسوانی یادداشتوں کے تناظر میں)، (کراچی: قرطاس پبلشرز، جون ۲۰۱۰ء)، اشاعت اوّل، ص ۹۳

(۳۳) خواجہ حسن نظامی دہلوی، غدر دہلی کے افسانوں کا چھٹا حصّہ غدر دہلی کے اخبار، (دہلی: کارکن حلقۂ مشائخ بک ڈپو، ۱۹۲۳ء)، اشاعت دوم، ص ۱۔۵

(۳۴) مولوی عبدالحق، سیّد احمد خاں، مشمولہ سر سیّد علیہ الرحمتہ مع ضمیمہ سیّد محمد محمود، مرتبہ جلیل قدوائی، (کراچی: راس مسعود ایجوکیشن اینڈ کلچر سوسائٹی آف پاکستان، س ن)، ص ۳۸

(۳۵) پروفیسر محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، (کراچی: پاک اکیڈمی، جون ۱۹۷۶ء)، ص ۳۶۲۔۳۶۸

(۳۶) شاہ ولی اللہ کے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز کے شاگرد سیّد احمد شہید اس تحریک کے روحِ رواں تھے۔ پانی پت کی تیسری لڑائی کے بعد جب سکھوں کو پنجاب میں عروج حاصل ہوا تو انھوں نے مسلمانوں پر بڑے ظلم کیے۔ شاہی مسجد کا صحن گھوڑوں کے اصطبل کے طور پر استعمال ہوا اور عورتوں کی عزتیں تک محفوظ نہیں رہیں تو انھوں نے رنجیت سنگھ کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تھا۔

(۳۷) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۷۳

نیز ڈاکٹر معین الدین عقیل، محوّلہ بالا، ص ۳۹۔۴۱

(۳۸) ولیم ہاورڈ رسل (William Howard Russell)، *My Diary in India, in the year 1858-59*، (لندن: روٹلیج وارن، ۱۹۵۹ء)، ص ۱۲۰۔۱۲۱۔ نیز اشتیاق حسین قریشی، محوّلہ بالا، ص ۳۰۱۔ نیز معین الدین عقیل، محوّلہ بالا، ص ۵۰

نیز طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، (بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۴۰ء)، ص ۸۷۔۹۳

(۳۹) ولیم ولسن ہنٹر (William Wilson Hunter)، ہمارے ہندوستان مسلمان، مترجم: صادق حسین، (لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۶ء)، ص ۲۳۶

(۴۰) اینگر اے۔آر، *The Indian Constitution*، (مدراس: ۱۹۲۳ء)، ص ۲۰ بہ حوالہ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، محوّلہ بالا، ص ۵۱

(۴۱) ثروت صولت، محوّلہ بالا، ص ۳۷-۳۷۴۔ نیز ولیم ولسن ہنٹر، محوّلہ بالا، ص ۲۴۲

(۴۲) قاضی جاوید، سر سیّد سے اقبال تک، (لاہور: بک ٹریڈرز، اپریل ۱۹۷۹ء)، ص ۱۷

(۴۳) مولوی عبدالحق، سیّد احمد خان، محوّلہ بالا، ص ۳۷

(۴۴) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، مرتّب: ڈاکٹر علی محمد خان، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ستمبر ۲۰۱۵ء)، ص ۷۱

(۴۵) سیّد معین الحق (ایڈیٹر)، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل، کراچی: جلد ۸، نمبر ۳، جولائی ۱۹۶۰ء، ص ۲۲۷

(۴۶) مولوی عبدالحق، سیّد احمد خاں، محوّلہ بالا، ص ۳۸-۳۹۔ نیز نورالرحمن، حیاتِ سر سیّد، (علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو ہند، سنہ ندارد)، ص ۱۴

نیز الطاف حسین حالی، خواجہ، حیاتِ جاوید، محوّلہ بالا، ص ۷۹-۸۰

(۴۷) نورالرحمن، محوّلہ بالا، ص ۲۱

(۴۸) ڈاکٹر اے۔ایچ کوثر، اُردو کی علمی ترقی میں سرسیّد اور ان کے رفقاء کار کا حصّہ، (کراچی: لائبریری پروموشن بیورو، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۲۱-۱۲۲

نیز فرحانہ مقبول، سرسیّد احمد خان بہ حیثیت تاریخ ساز، مشمولہ سرسیّد احمد خان: شخصیت و فن، قاضی ترتیب و انتخاب: عارف حسن، (راولپنڈی: شعبۂ تصنیف و تالیف، سرسیّد کالج واہ کینٹ، س ن)، ص ۳۵

(۴۹) عامر افتخار، سرسیّد احمد خان بہ حیثیت ایک مجاہد، ایضاً، ص ۶۲۔ نیز صولت جہاں، اسلامیانِ ہند کا عظیم رہنما، ایضاً، ص ۴۷

(۵۰) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، محوّلہ بالا، ص ۲۵۸، ۲۸۲-۲۸۳

نیز عبدالحق، سرسیّد احمد خان حالات و افکار، (کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۵۹ء)، ص ۶، ۲۰، ۱۳۷

(۵۱) مولوی عبدالحق، سرسیّد احمد خاں، محوّلہ بالا، ص ۱۴۔ نیز فرحانہ مقبول، محوّلہ بالا، ص ۴۷

(۵۲) عامر افتخار، محوّلہ بالا، ص ۶۳

(۵۳) سر سیّد احمد خان، انڈین آبزرور اور مسلمان (تہذیب الاخلاق بابت ۱۵/رمضان ۱۲۸۹ھ)، مشمولہ مقالاتِ سر سیّد، مرتبہ مولانا محمد اسماعیل پانی پتی، حصّہ نہم، (لاہور: مجلس ترقی ادب، دسمبر ۱۹۶۲ء)، اشاعت اوّل، ص ۲۰۸

(۵۴) مولوی سیّد اقبال علی، سر سیّد احمد خان پنجاب میں، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۵

(۵۵) محمد الیاس فارانی، محوّلہ بالا، ص ۱۲۲

نیز عظمٰی خورشید، سرسیّداحمدخان اور ان کے کردار کی خصوصیات، مشمولہ سرسیّداحمدخان: شخصیت و فن، قاضی ترتیب و انتخاب: عارف حسن، محوّلہ بالا، ص ۸۱

(۵۶) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، محوّلہ بالا، ص ۸۴۔ نیز عبدالحق، سرسیّد احمد خان: حالات و افکار، محوّلہ

بالا،ص۲۰

(۵۷) ضیاء الدین لاہوری، سرسیّد کی کہانی ان کی اپنی زبانی، (کراچی: ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان، ۱۹۸۲ء)، اشاعت اوّل،ص۵۹۔۶۰۔ نیز خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید،محوّلہ بالا،ص۸۶

(۵۸) سلمینہ احمد، سرسیّد بہ حیثیت ہوش مند مصلح،مشمولہ سرسیّداحمد خان: شخصیت و فن، قاضی ترتیب و انتخاب: عارف حسن،محوّلہ بالا،ص۶۸

(۵۹) ابواللیث صدیقی،''مقدمہ''،مشمولہ اسبابِ بغاوت ہند،سرسیّد احمد خان، (کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۷ء)،ص۹۰، اشاعت اوّل

(۶۰) سرسیّداحمد خان، اسبابِ بغاوتِ ہند، ایضاً،ص۹۶،۱۱۱۔۱۱۵،۱۱۸۔۱۱۹،۱۶۵۔۱۶۷،۱۷۲،۱۸۷۔۱۸۹

(۶۱) John W. Kaye

(۶۲) ڈاکٹر سیّد معین الحق،محوّلہ بالا

(۶۳) محمد اسمٰعیل پانی پتی(مرتب)، سرسیّداحمد خان کا خط سرجان ڈبلیو۔کے۔ای کے نام، *(Letters to and from Sir Syed Ahmed Khan)*،مترجم: ڈاکٹر سیّد معین الحق، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، س ن،ص۸۵۔۸۹

(۶۴) *Loyal Mohammadans of India*

(۶۵) نورالرحمن،محوّلہ بالا،ص۳۷

(۶۶) ایضاً،ص۳۸،۹۶۔۹۸۔ نیز عبدالحق، سرسیّد احمد خان حالات و افکار،محوّلہ بالا،ص۱۷

(۶۷) *Life of Mohammad*

(۶۸) نورالرحمن،محوّلہ بالا،ص۴۵،۹۶۔۹۸

(۶۹) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید،ص۳۵۱
نیز ضیاء الدین لاہوری، سرسیّد کی کہانی ان کی اپنی زبانی،ص۶۱

(۷۰) عامر افتخار احمد،محوّلہ بالا،ص۵۹۔۶۱۔ نیز سلمینہ احمد،محوّلہ بالا،ص۶۷

(۷۱) صدف عادل، اُردو ادب پر سرسیّد کے اثرات،مشمولہ سرسیّداحمد خان: شخصیت و فن، ترتیب و انتخاب: قاضی عارف حسن،،محوّلہ بالا،ص۸۶

(۷۲) ڈاکٹر سیّد عبداللہ، سرسیّد کا اثر ادبیاتِ اُردو پر، سرسیّدنمبر، حصّہ اوّل، نگار پاکستان، سالنامہ نومبر۔دسمبر ۱۹۷۰ء، ص۳۰

(۷۳) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید،ص۱۲۱۔ نیز عبدالحق، سرسیّداحمد خان: حالات و افکار،محوّلہ بالا، ص۱۱۸۔۱۱۹

(۷۴) مولوی عبدالحق، سرسیّداحمد خان: حالات و افکار،محوّلہ بالا،ص۱۸۷

(۷۵) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، اعترافِ حقیقت، یادگارِ اشاعت بہ تقریب یومِ سرسیّد۱۹۶۱ء،علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن، کراچی مشمولہ سرسیّد علیہ الرحمۃ مع ضمیمہ سیّد محمود، مرتبہ جلیل قدوائی،محوّلہ بالا،ص۳۲

(۷۶) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید،ص۲۳۳

(۷۷) ایچ۔وی۔ہڈسن(H.V.Hodson)، *The great divide Britain-India-Pakistan*،کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی

پریس، ۱۹۸۵ء، ص ۱۹۴۔۱۹۸، ۳۳۱، ۳۴۹۔۳۵۰، ۳۹۵

نیز ایچ۔ایم سیروائی، تقسیم ہند، ترجمہ اور اضافے: ڈاکٹر صفدر محمود، (لاہور: جہانگیر بکس، سنہ ندارد)، ص ۱۰۳۔۱۰۴

نیز چودھری محمد ظفراللہ خان، پاکستان کا المیہ، مترجم: اشرف تنویر، (لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، جنوری ۱۹۸۹ء)، ص ۵۵۔۵۶، ۶۲۔۶۳، ۶۹، ۸۱۔۸۵، ۷۴۔۷۵، ۱۴۵۔۱۴۶

(۷۸) قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۹۹، اشاعت ششم

(۷۹) ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء

(۸۰) Economic Hit Man

(۸۱) جدید نوآبادیاتی نظام، (کراچی: دانش اکیڈمی، س ن)، ص ۵۔۲۳، ۴۵

نیز عابد زبیری، پاکستان کے سیاسی و اقتصادی مسائل، (کراچی: آدرش پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۳ء)، ص ۱۴۸۔۱۵۰، ۱۵۵۔۱۵۹، ۱۶۵۔۱۶۷

نیز جان پرکنز (John Perkins)، ایک معاشی دہشت گرد کی کہانی (Confessions of an economic hit man)، مترجم: پروفیسر ظفرالحسن پیرزادہ، (لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۴ء)، ص ۵، ۹۔۱۰، ۱۷۔۱۸، ۲۳، ۱۳۰، ۳۱۹۔۳۲۰

(۸۲) ایلون وہیڈی ٹوفلر (Alvin & Heidi Toffler)، جنگ اور صرف جنگ، مترجم: ظہیر جاوید، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۸ء)، ص ۱۴۔۱۵، اشاعت اوّل

نیز جان ٹرمین (John Truman)، دُنیا بھر میں امریکی مظالم کی کہانی، مترجم: محمود حسن، (لاہور: ادارہ نشریات، جنوری ۲۰۰۸ء)، ص ۳۹۔۴۴، اشاعت اوّل

(۸۳) محمد آصف ملک/ تمکین انجم (مولفین)، بین الاقوامی معاشی تعلقات کی سیاست، (لاہور: پبلشرز ایمپوریم، ۲۰۰۵ء)، ص ۴۸۔۵۴، اشاعت اوّل

نیز مونیکا مورہیڈ، نیوورلڈ آرڈر کیا ہے اور اس سے نبرد آزما ہونے کا کیا طریقہ ہے؟، مشمولہ عراق میں امریکا کے جنگی جرائم، مرتبہ رمزے کلارک، مترجم: محمد احسن بٹ، (لاہور: جمہوری پبلشرز، جولائی ۲۰۰۴ء)، ص ۲۱۸

نیز سارا فلونڈرس، تفتیش کیوں؟، مشمولہ عراق میں امریکا کے جنگی جرائم، ایضاً، ص ۵۰

(۸۴) گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکا میں چار فضائی مسافر بردار طیارے اغوا کر کے خودکش انداز میں امریکی سرمایہ دارانہ برتری کی علامتوں نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ ٹاورز اور واشنگٹن میں موجود امریکی محکمہ دفاع پنٹاگون کی عمارتوں سے ٹکرا دیے گئے۔ کئی روز تک حادثے کے حتمی نتائج معلوم نہ ہو سکے۔ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو جاری کی جانے والی رپورٹ کے مطابق ۴۳۳۹ افراد ہلاک اور ۸۷۸۶ افراد زخمی تھے۔ مرنے والوں میں ۴۰۰ فائر فائٹرز بھی شامل تھے۔ حادثے میں جاں بحق ہونے والوں کا تعلق اسّی سے زائد ممالک سے تھا۔

بہ حوالہ روزنامہ جنگ، کراچی، بدھ ۱۲/ ستمبر ۲۰۰۱ء

نیز روزنامہ ڈان، کراچی، بدھ ۱۲/ ستمبر ۲۰۰۱ء

نیز www.history.com/topics/9-11attacks

نیز en.wikipedia.org/wiki/September-11-attacks

نیز سانحہ۔گیارہ۔ستمبر/ur.wikipedia.org/wiki
(مورخہ ۴/مارچ ۲۰۱۱ء، وقت ۵/بجے شام)
نیز رؤف ظفر، ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی تباہی ایک عالمگیر المیہ، روزنامہ جنگ، کراچی: ۳۰/دسمبر ۲۰۰۱ء، سنڈے میگزین، ص ۱۲

(۸۵) سلیکٹڈ اسپیچس آف پریزیڈنٹ جارج ڈبلو بش: ۲۰۰۱ء۔۲۰۰۸ء، ص ۵۷۔۵۸
مندرجہ ذیل ویب گاہیات پر دیکھی گئی:
georgwbush-whitehouse.archives.gov/infocus
نیز bushrecord/documants/selected-speeches-Georg-w-Bush.Pdf
نیز www.presidentialrhetoric.com/speeches/09.20.01html
نیز www.leadingtowar.com/watch-online.php?gclid=LeadingtowarMP4file
(مورخہ ۲/مئی ۲۰۱۵ء، ۳/بجے رات)

(۸۶) US President Georg W.Bush from a speech September 16, 2001
en.wikipedia.org/wiki/Tenth-Crusade-(pre-21st-century)
(مورخہ یکم/مئی ۲۰۱۵ء، وقت ۴/بجے شام)

(۸۷) عظیم ایم میاں (نیو یارک)، امریکا میں مقیم مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے، روزنامہ جنگ، کراچی: جمعرات، ۱۳/ستمبر ۲۰۰۱ء، جمعرات میگزین، ص ۱۵

(۸۸) سلیکٹیڈ اسپیچس آف پریزیڈنٹ جارج ڈبلیو بش ۲۰۰۱ء۔۲۰۰۸ء، ص ۶۵۔۷۴
ویب گاہیات، محوّلہ بالا

(۸۹) روزنامہ جنگ، کراچی، جمعہ ۱۴/ستمبر ۲۰۰۱ء

(۹۰) محمود شام، امریکا کیا سوچ رہا ہے؟، (کراچی: ویلکم بک پورٹ لمیٹڈ، جنوری ۲۰۰۵ء)، ص ۱۹

(۹۱) عبداللہ ملک، افغانستان قدیم و جدید، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، اپریل ۲۰۰۷ء)، ص ۴۶۹

(۹۲) جان ٹرمین، محوّلہ بالا، ص ۱۳۳

(۹۳) محمد انیس الرحمٰن، بین الاقوامی مافیا، (لاہور: ساگر پبلشرز، سنہ ندارد)، ص ۲۱

(۹۴) جان ٹرمین، محوّلہ بالا، ص ۴۷۔۴۸، ۱۳۳

(۹۵) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، محوّلہ بالا، ص ۵۹۷

(۹۶) محمد اسمٰعیل پانی پتی، شیخ (مرتّب)، سر سیّد احمد خان کا سفرنامۂ پنجاب، (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، اکتوبر ۱۹۷۳ء)، ص ۳۶، اشاعت اوّل
نیز خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، محوّلہ بالا، ص ۶۳۸

(۹۷) ڈاکٹر سلیم اختر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ (آغاز سے ۲۰۱۰ء تک)، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۲۳۲

(۹۸) پروفیسر تنویر علوی، دورِ حاضر میں سرسیّد کی معنویت، مشمولہ ماہنامہ پرواز، لندن: ستمبر ۲۰۱۷ء، ص ۱۳۔۱۵

(۹۹) خواجہ الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، محوّلہ بالا، ص ۲۳۹۔۲۴۰

(۱۰۰) مولوی عبدالحق، پہلی اینٹ اسی نے رکھی تھی، مشمولہ سرسیّد علیہ الرحمۃ مع ضمیمہ سیّد محمود، مرتبہ جلیل قدوائی، محوّلہ بالا، ص ۳۴

مآخذ

(۱) سٹیفنس، ایچ۔ مورس، انقلابی یورپ، مترجم: مولوی حسن عابد صاحب، حیدرآباد دکن: دارالطبع سرکار عالی جامعہ عثمانیہ، ۱۹۲۶ء

(۲) اشتیاق حسین قریشی، برّعظیم پاک و ہند کی ملّتِ اسلامیہ، مترجم: ہلال احمد زبیری، کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، سنہ اشاعت، ۱۹۸۳ء

(۳) الطاف حسین حالی، خواجہ، حیاتِ جاوید، مرتّب: ڈاکٹر علی محمد خان، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ستمبر ۲۰۱۵ء

(۴) اقبال علی، مولوی، سیّد، سرسیّد احمد خان پنجاب میں، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۸ء

(۵) انتظام اللہ شہابی، مفتی (مرتّب)، مشاہیرِ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء تا۱۹۵۶ء، کراچی: محمد سعید اینڈ سنز، ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ

(۶) انیس الرحمٰن، محمد، بین الاقوامی مافیا، لاہور: ساگر پبلشرز، سنہ ندارد

(۷) اینگر، اے۔آر، *The Indian constitution*، مدراس: ۱۹۲۳ء

(۸) باری، کمپنی کی حکومت، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۹ء، اشاعت چہارم

(۹) بان، گستاوَلی، تمدنِ ہند، مترجم: سیّد علی بلگرامی، آگرہ: درمطبع شمسی، باہتمام محمد ابراہیم خان، ۱۹۱۳ء

(۱۰) پانی پتی، محمد اسمٰعیل (مرتّب)، سرسیّد احمد خان کا سفرنامۂ پنجاب، لاہور: مجلس ترقی ادب، اکتوبر ۱۹۷۳ء، اشاعت اوّل

(۱۱) ـــــــ، سرسیّد احمد خان کا خط سرجان ڈبلیو۔کے۔ای کے نام، (*Letters to and from Sir Syed Ahmed Khan*)، مترجم: ڈاکٹر سیّد معین الحق، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، س ن

(۱۲) پرکنز، جان (John Perkins)، ایک معاشی غارت گر کی کہانی (Confessions of an economic hit man)، مترجم: پروفیسر ظفر المحسن پیرزادہ، لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۴ء

(۱۳) تنظیم الفردوس، ڈاکٹر، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء: تاریخی حقائق کے نئے زاویے (نسوانی یادداشتوں کے تناظر میں)، کراچی: قرطاس پبلشرز، جون ۲۰۱۰ء، اشاعت اوّل

(۱۴) تھارٹن، ایڈورڈ، (Edward Thornton)، *History of British India*، جلد سوم، لندن: ایلن اینڈ کو، ۱۸۴۱ء

(۱۵) ٹامپسن، ایڈورڈ جان/ گریٹ جی۔ ٹی۔ (Edward John Thompson/ Garratt G. T.)، *Rise and fulfilment of British rule in India*، لندن: میکمیلن اینڈ کمپنی، ۱۹۳۵ء

(۱۶) ٹرمین، جان (John Truman)، دُنیا بھر میں امریکی مظالم کی کہانی، مترجم: محمود حسن، لاہور: ادارہ نشریات، جنوری ۲۰۰۸ء، اشاعت اوّل

(۱۷) ٹوفلر، ایلون وہیڈی (Toffler, Alvin & Heidi)، جنگ اور صرف جنگ، مترجم: ظہیر جاوید، اسلام آباد: مقتدرہ

قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۸ء، اشاعت اوّل

(۱۸) جاوید، قاضی، سر سیّد سے اقبال تک، لاہور: بک ٹریڈرز، اپریل ۱۹۷۹ء

(۱۹) حسن نظامی دہلوی، خواجہ، غدر دہلی کے افسانوں کا چھٹا حصّہ غدر دہلی کے اخبار، دہلی: کارکن حلقۂ مشائخ بک ڈپو، ۱۹۲۳ء، اشاعت دوم

(۲۰) ـــــــ، غدر دہلی کے افسانوں کا چوتھا حصّہ بہادر شاہ کا مقدمہ، دہلی: کارکن حلقۂ مشائخ بک ڈپو، ستمبر ۱۹۲۳ء، اشاعت دوم

(۲۱) خان، سرسیّد احمد، انڈین آبزرور اور مسلمان (تہذیب الاخلاق بابت ۱۵ رمضان ۱۲۸۹ھ)، مشمولہ مقالاتِ سر سیّد، مرتبہ محمد اسماعیل پانی پتی، حصّہ نہم، لاہور: مجلس ترقی ادب، دسمبر ۱۹۶۲ء، اشاعت اوّل

(۲۲) دہلوی، ظہیر الدین ظہیر، داستانِ غدر یعنی ہنگامہ ۵۷ء کے چشم دید حالات، لاہور: اکادمی پنجاب، ادبی دُنیا منزل، جون ۱۹۵۵ء، اشاعت اوّل

(۲۳) جدید نوآبادیاتی نظام، کراچی: دانش اکیڈمی، س ن

(۲۴) رسل، ولیم ہاورڈ (William Howard Russell)، *My Diary in India, in the year 1858-59*، لندن: روٹلیج وارن، ۱۹۵۹ء

(۲۵) زبیری، عابد، پاکستان کے سیاسی و اقتصادی مسائل، کراچی: آدرش پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۷۳ء

(۲۶) سبزواری، محمد احمد، ہند میں اُردو ساتویں صدی سے، کراچی: بائینڈ ٹائم پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، اشاعت اوّل

(۲۷) سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ (آغاز سے ۲۰۱۰ء تک)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء

(۲۸) سیروائی، ایچ۔ایم، تقسیمِ ہند، ترجمہ اور اضافے: صفدر محمود، ڈاکٹر، جہانگیر بکس پاکستان، سنہ ندارد

(۲۹) شام محمود، امریکا کیا سوچ رہا ہے؟، کراچی: ویلکم بک پورٹ لمیٹڈ، جنوری ۲۰۰۵ء

(۳۰) شہاب، قدرت اللہ، شہاب نامہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، اشاعت ششم

(۳۱) صدیقی، ابواللیث، ''مقدمہ''، مشمولہ اسبابِ بغاوت ہند، سر سیّد احمد خان، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۷ء، اشاعت اوّل

(۳۲) صولت، ثروت، ملّتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ، جلد دوم، اسلامک پبلی کیشنز، جون ۲۰۰۶ء، اشاعت نہم

(۳۳) عبدالحق، مولوی، سر سیّد احمد خان: حالات و افکار، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۵۹ء

(۳۴) عبدالحق، مولوی، سیّد احمد خاں، مشمولہ سر سیّد علیہ الرحمتہ مع ضمیمہ سیّد محمد محمود، مرتبہ جلیل قدوائی، کراچی: راس مسعود ایجوکیشن اینڈ کلچر سوسائٹی آف پاکستان، س ن

(۳۵) عقیل، ڈاکٹر معین الدین، آزادی کی قومی تحریک: تحقیق و تجزیہ، لاہور: مکتبۂ تعمیر انسانیت، ۲۰۰۷ء، اشاعت اوّل

(۳۶) علی، عبداللہ یوسف، انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ، کراچی: کریم سنز، ۱۹۶۷ء

(۳۷) فارانی، محمد الیاس، برِصغیر میں مسلم قومیت کے تصور کا ارتقا، کراچی: ادارہ مطبوعات پاکستان، ۱۹۶۸ء

(۳۸) قادری، محمد ایوب، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: واقعات و شخصیات، کراچی: پاک اکیڈمی، جون ۱۹۷۶ء

(۳۹) کوثر، اے۔ایچ، ڈاکٹر، اُردو کی علمی ترقی میں سر سیّد اور ان کے رفقاء کار کا حصّہ، کراچی: لائبریری

پروموشن بیورو، ۱۹۸۴ء
(۴۰) گیریٹ، ایچ۔ایل۔(H.L.O Garrett)، *The trial of Bahadur Shah*، لاہور: ۱۹۳۲ء
(۴۱) لاہوری، ضیاءالدین، سرسیّد کی کہانی ان کی اپنی زبانی، کراچی: ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان، ۱۹۸۲ء، اشاعت اوّل
(۴۲) لی بان، گستاوَ(Le Bon, Gustave)، تمدنِ عرب، مترجم: سیّد علی بلگرامی، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۶۰ء
(۴۳) محمد خلیل، پروفیسر، جہدِ آزادی، کراچی: شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، وفاقی گورنمنٹ اُردو کالج، اگست ۱۹۸۳ء، اشاعت اوّل
(۴۴) محمد ظفراللہ خان، چودھری، پاکستان کا المیہ، مترجم: اشرف تنویر، لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، جنوری ۱۹۸۹ء
(۴۵) مقبول، فرحانہ، سرسیّد احمد خان بہ حیثیت تاریخ ساز، مشمولہ سرسیّد احمد خان: شخصیت و فن، ترتیب و انتخاب قاضی عارف حسن، راولپنڈی: شعبۂ تصنیف و تالیف، سرسیّد کالج واہ کینٹ، س ن
(۴۶) ملک، عبداللہ، افغانستان قدیم و جدید، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، اپریل ۲۰۰۷ء
(۴۷) ملک، محمد آصف / انجم، تمکین (مؤلفین)، بین الاقوامی معاشی تعلقات کی سیاست، لاہور: پبلشرز ایمپوریم، ۲۰۰۵ء، اشاعت اوّل
(۴۸) منگلوری، طفیل احمد، مسلمانوں کا روشن مستقبل، بدایوں: نظامی پریس، ۱۹۴۰ء
(۴۹) مورہیڈ، مونیکا، نیوورلڈ آرڈر کیا ہے اور اس سے نبردآزما ہونے کا کیا طریقہ ہے؟، مشمولہ عراق میں امریکا کے جنگی جرائم، مرتبہ رمزے کلارک، مترجم: محمد احسن بٹ، لاہور: جمہوری پبلشرز، جولائی ۲۰۰۴ء
(۵۰) نورالرحمٰن، حیاتِ سرسیّد، علی گڑھ: انجمن ترقی اُردو ہند، سنہ ندارد
(۵۱) ویلز، ایچ۔جی۔، مختصر تاریخ عالم، مترجم: محمد عاصم بٹ، لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۷ء
(۵۲) ہڈسن، ایچ۔وی۔(Hodson, H. V.)، *The great divide Britain-India-Pakistan*، کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۸۵ء
(۵۳) ہنٹر، ولیم ولسن(William Wilson Hunter)، ہمارے ہندوستان مسلمان، مترجم: صادق حسین، لاہور: اقبال اکیڈمی، ۱۹۴۶ء

اخبارات و جرائد

(۱) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل، کراچی، جلد ۸، نمبر ۳، جولائی ۱۹۶۰ء، کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی
(۲) ماہنامہ پرواز، لندن، ستمبر ۲۰۱۷ء
(۳) روزنامہ ڈان، کراچی، بدھ ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۱ء
(۴) روزنامہ جنگ، کراچی، ۳۰ر دسمبر ۲۰۰۱ء، سنڈے میگزین
(۵) ______، کراچی، جمعہ ۱۴ر ستمبر ۲۰۰۱ء
(۶) صحیفہ، خصوصی شمارہ، جنوری۔جون ۲۰۰۷ء، شمارہ ۱۸۸، ۱۸۹، لاہور: مجلسِ ترقی ادب
(۷) نگار پاکستان، ''سرسیّد نمبر''، حصّہ اوّل، سالنامہ نومبر۔دسمبر ۱۹۷۰ء

ویب گاہیں

1. ur.m.wikipedia.org/wiki/colonialism
2. www.history.com/topics/9-11attacks
3. en.wikipedia.org/wiki/September-11-attacks
4. ur.wikipedia.org/wiki/سانحہ-گیارہ-ستمبر
5. https://upload.wikimedia.org/wikipedia/commons/b/b1/Selected_Speeches_of_President_George_W._Bush%2C_2001_-_2008.pdf
6. georgwbush-whitehouse.archives.gov/infocus
7. bushrecord/documants/selected-speeches-Georg-w-Bush.Pdf
8. www.presidentialrhetoric.com/speeches/09.20.01html
9. www.leadingtowar.com/watch-online.php?gclid=LeadingtowarMP4file
10. US President Georg W. Bush from a speech September 16, 2001 en.wikipedia.org/wiki/Tenth-Crusade-(pre-21st-century)